باجازت مصنف ہر شخص چھاپ سکتا ہے

سلسلہ رسائل احمدیہ

نمبر (۱)

وید انجیل اور قرآن کا خدا

۱۹۰۹ء

از

خاکسار احمد حسین۔ احمدی فریدآبادی سکرٹری انجمن احمدیہ

دھلی

اپریل سنہ ۱۹۰۹ء

تحفۂ ہند پریس دھلی میں چھپا

فہرست کتب ردِ آریہ

سرمۂ چشم آریہ۔ یہ زبردست کتاب آریوں کے اعتراضات معجزۂ شق القمر کے اور تناسخ و روح و مادہ کی قدامت کے رد میں لاجواب ہے۔ قیمت ۱۲؍

چشمۂ معرفت۔ سنہ ۱۹۰۷ء میں جو جلسہ آریوں کا لاہور میں ہوا تھا اس جلسہ میں جو صداقت قرآن مجید پر ایک لیکچر دیا گیا وہ اور آریوں نے جو اعتراض اسلام پر کئے ہیں اُن کا جواب با جواب اس میں ہے۔ قیمت عہ؍

نسیم دعوت	آریہ دہرم	سناتن دہرم	اسلام اور اس ملک کے دیگر مذاہب
۳؍	۴	ہ؍	۲؍

لیکچر جلسہ اعظم مذاہب۔ قیمت ۴؍

نور الدین۔ بجواب ترک اسلام دہرمپال نو آریہ بڑی مدلل اور ضخیم کتاب قیمت ۸۔

صاعقۂ ذو الجلال بر نخل دہرمپال حصۂ اول کا پہلا جزو

نخل اسلام دہرمپال کا جواب انعامی یکصد روپیہ۔ قیمت ۲؍

صاعقۂ ذو الجلال کا دوسرا جزو

نیوگ کی حقیقت برہنہ کر دی گئی ہے۔ انعامی یکصد روپیہ قیمت ۲؍

صاعقۂ ذو الجلال حصہ دوم

دہرمپال کے دیگر اعتراضات کا جواب زیر تالیف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلّی علیٰ رسولہ الکریم

سببِ تالیف

خدائے تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ اس سلسلہ کے جاری کرنے سے ہمارا مقصود کوئی نمود۔ اظہارِ وجود اور حصولِ شہرت وجلبِ منفعت ہرگز نہیں۔ برخلاف اس کے چونکہ یہ زمانہ مذاہب کی کشمکش کا زمانہ ہے۔ اور خصوصًا ہمارے شہر دہلی میں ان دنوں مذاہب باطلہ کے حامی و دعویدار بہت ہی منہ زوریاں کرنے لگے ہیں۔ یعنی باوجودیکہ آہنی قلعۂ اسلام کے مقابلہ میں اُن کے ادیان لچر پوچ ریت کی دیوار سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے پھر بھی وہ بڑھ بڑھ کر بولتے۔ بیجا حملے کرتے اور اپنے سفیہانہ رویّہ میں حدودِ تہذیب ومتانت کیا انسانیت سے بھی گزرے جاتے ہیں اس واسطے ہم نے محض قادرِ ذوالجلال کی تائید ونصرت پر کہ جو سچوں کا بول بالا اور جھوٹے مفتریوں کا منہ کالا کرنے میں بڑا غیور اور شدید البطش ہے بھروسہ کرکے ارادہ کیا ہے کہ چھوٹے چھوٹے ٹریکٹوں کی شکل میں بعبارتِ سہل وسلیس اُن ضروری مسائلِ مذہبی پر قولِ فیصل یعنی طول طویل بحثوں کا لُبِّ لباب ہدیۂ ناظرین کرتے

رہیں جن کے جاننے سمجھنے اور اُن پر غور و رائے زنی کرنے کی آجکل کے مناظروں میں پبلک کو اکثر ضرورت پڑتی رہتی ہے اور جنکو عدیم الفرصت یا کم مقدرت لوگ بڑی بڑی ضخیم و قیمتی کتابوں میں پڑھنے سے ایک طرح معذور رہیں۔

رسالہ ہذا میں جو سلسلہ مجوزہ کا پہلا نمبر ہے ہم اول اُس مسئلہ پر قلم اُٹھاتے ہیں جو گویا نفس مذہب کی جان اور مذاہب عالم کا بنیادی پتھر ہے۔ یعنی وجود باری تعالے کی بحث اور اس میں ہم انشاء اللہ سردست تین مذاہب کو مدنظر رکھکر اور دقیق و دوراز کار فلسفیانہ موشگافیوں سے قطع کرکے عام فہم عبارت میں صرف یہ دکھانے کی کوشش کریں گے کہ وید۔ انجیل اور قرآن شریف نے جو جو خدا اپنی اپنی جگہہ پر پیش کیا ہے وہ کہاں تک اُس ہستی اعلی کے شایان شان اور اس قابل ہے کہ انسان اسکو مانے اور اس کی طاعت کو عین سعادت سمجھکر اپنی اُخروی توقعات کو اُس کی ذات سے وابستہ کرے۔ وَمَا تَوفِیقِی اِلَّا بِاللہ۔ اَللّٰھُمَّ انصُر مَن نَصَرَ دِینَ مُحَمَّدٍ ﷺ وَاجعَلنَا مِنھُم وَاخذُل مَن خَذَلَ دِینَ مُحَمَّدٍ ﷺ وَلَا تَجعَلنَا مِنھُم۔ اٰمِین ثُمَّ اٰمِین !!

فصل اوّل

وید کا پرمیشور۔ یعنی آریوں کا خدا

خدا شناسی کی سب سے پہلی اور ضروری علامات توحید ہے یعنی خدا کو اُس کی ذات اور صفات میں ایک ماننا اور کسی بات میں اُس کا کوئی شریک نہ ٹھیرانا۔

لیکن ظاہر ہے کہ آریہ سماجی لوگ خداتعالے کی صفت ازلیت میں کائنات کے ذرہ ذرہ کو شریک مانتے ہیں یعنی جس طرح خداتعالے اپنی ہستی میں کسی خالق کا محتاج نہیں اسی طرح ان کے نزدیک جیو (روح) اور پرکرتی (مادہ یا ذرات عالم)

بھی اپنے وجود میں کسی پیدا کرنے والے کے محتاج نہیں بلکہ مع اپنی تمام قوتوں
اور خاصیتوں کے انادی (ازلی ابدی اور قدیم دائم) ہیں۔ گویا اپنے اپنے
وجود کے آپ ہی خدا ہیں۔ اور یہ ایک ایسا نجس و ناپاک عقیدہ ہے جس کی
رو سے نہ خدا کی توحید باقی رہتی ہے نہ اُس کی کوئی قوت و عظمت بلکہ اس
کی شناخت و معرفت پر کوئی دلیل بھی قائم نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ صانع (بنانیوالا)
اپنی مصنوعات (بنائی ہوئی چیزوں) ہی سے پہچانا جاتا ہے اور ایک اعلیٰ ترین
کیا بلکہ معمولی طور پر ممتاز وجود بھی صرف ایسے اوصاف ہی کے ذریعہ شناخت
کیا جا سکتا ہے جنکی نظیر دوسرے وجودوں میں نہ پائی جاتی ہو۔ مگر یہاں
جبکہ ارواح اور اجسام مع اپنی تمام قوتوں کے خودبخود قائم اور قدیم ہیں۔
تو پھر خدا کے وجود کی کیا ضرورت رہ گئی اور اسکی ہستی پر کونسی دلیل ہو سکتی
ہے؟ اور عقل انسانی اس کا موجود ہونا کیسے تجویز و تسلیم کر سکتی ہے؟ اگر یہ کہا جاوے
کہ وہ ذراتِ عالم کو جوڑتا اور جسم و روح میں تعلق پیدا کرتا ہے اس لئے ان کا
خدا ہے تو اس طرح تو دنیا بھر کے تمام بڑھئی اور لوہار۔ یا دیگر دستکار بھی (نعوذ
باللہ) خدا کہلا سکتے ہیں۔ معمولی نجاری و معماری وغیرہ کی حرفتیں تو بجائے خود رہیں
اس زمانہ میں تو ایسی ایسی نادر صنعتیں اور کاریگریاں ایجاد ہو گئی ہیں جو بظاہر معجزہ
و کرامات معلوم ہوتی ہیں۔ اندھوں کو بینا۔ بہروں کو شنوا اور گونگوں کو گویا
کرنے کے آلات۔ مردہ جانوروں کو عارضی طور پر جلا دینے کی ترکیب سربند و مقفل
صندوقوں کے اندر کا حال من وعن اپنی آنکھوں دیکھ لینے کی ایکس ریز (ایک
قسم کی شعاعیں) بے تار کی پیغام رسانی۔ فونوگراف۔ ہوائی جہاز۔ فن جراحی کی
عجیب و غریب ترقیاں وغیرہ وغیرہ۔ تو کیا ایسی اختراعات کے موجدوں کو خدا
کہا جائے؟ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

اصل بات یہ ہے کہ خدا تعالے میں قادرِ مطلق ہونے کی جو خصوصیت ہے
اسکی وجہ سے وہ خدا کہلاتا ہے۔ اسکی اس عدیم النظیر خاصیّت ہی کا تقاضا ہے
جس سے نہ صرف اجسام و ارواح وجود میں آتے ہیں بلکہ ان کی تمام قوتیں بھی ظہور
پذیر ہوتی ہیں۔ مثلاً جانداروں کے جسم کو جو اس نے آنکھیں عطا کی ہیں تو اس
کام میں اسکا کمال یہی نہیں کہ اس نے انہیں بنایا بلکہ بڑا کمال تو یہ ہے کہ اس نے
اجسام کے ذرات میں وہ پوشیدہ طاقتیں رکھیں جن سے بینائی کا نور پیدا ہو سکے۔
پس اگر وہ طاقتیں خود بخود ہوں تو پھر خدا کچھ بھی چیز نہیں۔ ذرات عالم میں
وہ قوتیں نہ ہوتیں تو اس کی خدائی بیکار جاتی۔ لہذا یاد رکھنا چاہیئے کہ خدا
کی خدائی کا دارومدار تو اسپر ہے کہ اس نے روحوں اور جسموں ہی کو پیدا
نہیں کیا بلکہ انکی تمام گوناگوں خاصیتیں اور طاقتیں بھی خود پیدا کی ہیں اور کرتا
ہے۔ اور وہی خواص ان کے جوڑنے ملانیکے وقت اپنا کرشمہ دکھلاتے ہیں اور
اسی لئے کوئی صناع کوئی موجد اور کوئی ماہر و باکمال اس عدیم المثال وصف
کی وجہ سے اس کی برابری نہیں کرسکتا۔ کیونکہ خواہ کوئی ریل کا موجد ہو یا تار کا
یا اور کسی عجیب عجیب صنعت کا لیکن وہ شخص یہ کہنے کی ہرگز جرأت نہیں کرسکتا
کہ موجوداتِ عالم کے ان نہاں در نہاں اوصاف و خواص اور مخفی طاقتوں کا
بھی خود ہی موجد و خالق ہے جنکے طفیل وہ اپنی کاریگری میں کامیابی و سرخروئی
حاصل کرتا ہے بلکہ تمام موجد ان طاقتوں سے کام لیتے ہیں جو اس خلاق العلیم نے
موجوداتِ عالم میں ہر زمانہ کی ضروریاتِ انسانی کے مناسب حال پہلے ہی سے
ودیعت رکھی تھیں۔ جیسے کہ وہ شخص جسنے پہلے پہل انجن نکالا محض اس عجیب
مفید چیز کا موجد تو ہے مگر سٹیم (بھاپ) کی اس مخفی طاقت کا پیدا کرنیوالا
نہیں جس کے زور سے انجن چلتا ہے۔ پس جبتک خدا کو ذرات و ارواح کی

تمام طاقتوں کا بھی خالق و موجد نہ مانا جائے اسکی خدائی ہرگز ثابت نہیں ہوسکتی۔ اور یہ ظاہر ہے کہ آریوں کا جو پرمیشور خود اُن ذرات وارواح کا ہی خالق نہیں تو اُن کی قوتوں کا پیدا کنندہ کب ہوسکتا ہے؟ اس سے یہی نتیجہ نکلا کہ آریوں کے پرمیشور کی قدرت اور قوت انسانی قوت و قدرت سے بڑھ کر نہیں۔

یہ بات خوب ذہن نشین کرلینے کے قابل ہے اسی لئے ہم بار بار زور دیکر بتاتے ہیں کہ محض جوڑنے ملانے کا ہنر تو انسان کو بھی بہت اچھا آتا ہے۔ مگر اُس میں اور خالق حقیقی میں فرق بیّن یہ ہے کہ وہ موجودات کی قوتوں خاصیتوں اور گنوں کا اپنی قدرت سے پیدا کرنیوالا ہے اور انسان برخلاف ازیں اس وصف قدرت سے عاری و تہیدست ہے کہ گنوں (خواص) کو ارواح و اجسام میں اپنے حسب منشا پیدا کرسکے خواہ وہ انواع و اقسام کی ایجادات میں کیسا ہی کمال پیدا کرلے اور جوڑنے ملانیکے فن کو کیسی ہی معراج ترقی پر پہنچا کر اپنی کاریگری کے ایک سے ایک بڑھکر کرشمے دکھلا سکے۔ مثلاً انسانی روح میں عشق و محبت کی ایک قوت موجود ہے اور اگرچہ کوئی اپنی غلطی اور غفلت شعاری سے ماسوای اللہ اور کسی سے لو لگا بیٹھے لیکن در اصل روح میں یہ صلاحیت رکھی محض اسی غرض سے گئی ہے کہ وہ اپنے محبوب حقیقی سے جو تمام تر حسن و احسان کا جامع اور مبدأ ہے دل و جان سے پیار کرے۔ پس کیا ہم کہہ سکتے ہیں کہ انسانی روح میں جو قوت عشق موجود ہے جسکی موجیں ناپیدا کنار ہیں اور جس کے کمال تموج کے وقت انسان اپنی جان تک سے ہاتھ دھو بیٹھنے پر آمادہ ہوجاتا ہے یہ خود بخود روح میں قدیم سے موجود ہے۔ نہیں اور ہرگز نہیں۔ اگر خدا نے انسان میں اور اپنی ذات میں عاشقانہ رشتہ اُلفت قائم کرنیکی غرض سے

روح میں یہ خاصّہ از خود پیدا نہیں کیا بلکہ پرمیشور کی خوش قسمتی سے جیو میں یہ جذبہ آپ ہی آپ اتفاقیہ پیدا ہو گیا ہوتا تو لوگوں کو کبھی بھی ایشور پریم اور بھگتی کا خیال تک نہ آنا چاہیے تھا اور نہ پرمیشور کی اس بارہ میں کوئی تدبیر چل سکتی کیونکہ بخیال آریہ وہ نیستی سے ہستی پر تو قادر ہی نہیں جو خلقت میں اپنی محبت پیدا کر سکے۔ اور اسی لئے نعوذ باللہ خدا کا کوئی حق نہ ہوتا کہ اپنی طاعت وعبادت اور نیک اعمال یا اپنے احکام کی تعمیل کے لئے ارواح انسانی سے مواخذہ کرے۔ لیکن چونکہ برخلاف اس کے محبت واطاعت کی تونبیں اس نے خود روح انسانی میں رکھی ہیں لہذا وہ چاہتا ہے کہ آدمی اسی سے لو لگائے اور اسکی محبت میں محو ہو جائے اور اپنے تمام اعمال و افعال۔ حرکات سکنات اور گفتار ورفتار کو اسی کی مرضی کے موافق رکھے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ باہمی کشش کیلئے کسی نہ کسی قسم کا رشتہ اتحاد اور تعلق مناسبت ضروری ہے۔ انسان انسان سے۔ پرندہ پرندہ سے اور عموماً ہر ایک جاندار اپنے ہم جنس سے انس رکھتا ہے۔ پس جبکہ انسان کی ذات اور اس کی جسمانی وروحانی قوائے وصفات کو خدا کے ساتھ کوئی علاقہ ومناسبت ہی نہیں تو کس اشتراک کی بنا پر یہ باہمی کشش اور پریم اگن خدا اور انسانی روحوں میں پائی جاتی ہے؟ کیا صرف جوڑنے ملانیکا تعلق کافی ہے؟ ہرگز نہیں کیونکہ جیسا ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اس بارہ میں تو آریوں کا خدا اور ایک نجار اور لوہار باہم برابر ہیں اگر کسی کا کوئی عضو ٹھکانے سے اتر جائے اور کوئی دوسرا شخص اس کو اصل جگہ جوڑ دے تو کیا وہ دوسرا اس کا خدا ہو جائے گا۔ توبہ توبہ!!

خدا تعالےٰ کو پہلی مذہبی کتابوں میں بطور استعارہ پتا یعنی باپ قرار دیا گیا ہے۔ قرآن کریم میں بھی ارشاد ہوا ہے کہ تم خدا کو ایسا یاد کرو جیسا کہ اپنے

باپوں کو یاد کرتے ہوئے" اور فرمایا کہ "وہ خدا زمین اور آسمانوں کا نور ہے" یعنے اصل نور وہی ہے اور زمین و آسمان کے تمام انوار اسی سے نکلے ہیں۔ پس خدا کا نام استعارۃً پتا یا باپ رکھنا اور ہر ایک نور کی جڑ اسی کو ٹھہرا دینا اسی طرف اشارہ ہے کہ انسانی روح کا خدائے تعالےٰ کے ساتھ کوئی بڑا بھاری علاقہ ہے

عربی میں آدمی انسان کہتے ہیں یعنی ایسی ہستی جس میں دو اُنس ہیں ایک خدا کے ساتھ دوسرا ابنی نوع کے ساتھ۔ اسی طرح ہندی میں اس کا نام مانس ہے جو عربی لفظ مانوس کا مخفف ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ انسان اپنے خالق و مالکِ حقیقی سے جو اُنس رکھتا ہے وہ کوئی اتفاقی یا بے وجہ بات نہیں۔ بلکہ مذکورۂ بالا زبردست رشتۂ اتحاد کے باعث اس کا طبعی و فطرتی تقاضا ہے اور انسان جو غیر اللہ کی پرستش میں مشرکانہ غلطی کا مرتکب ہوتا ہے۔ یہ بھی در اصل اُسی سچے خدا کی تلاش کی وجہ سے ہے نہ کہ اُن جھوٹے معبودوں کی پوجا کو مقصود بالذات جانکر۔ چنانچہ جاہل و غافل مخلوق کو چھوڑ کر اگر ہم اُن فرقوں یا اقوام سے جو کچھ بھی سوجھ بوجھ رکھتے ہیں اسباب کی پرستش اور انکو قائل معقول کریں کہ تم مثلاً سورج۔ یا اگنی یا پتھر کو کیوں پوجتے ہو؟ تو وہ باغلب وجوہ یہی تاویل کریں گے کہ ہمارا معبود و مسجود اصل میں یہ چیزیں نہیں۔ بلکہ وہی ذات ہے جس کی شکتی کا ظہور ہم ان میں پاتے اور اپنے اگلوں سے سنتے آئے ہیں کہ یہ پرمیشور کا مظہر ہیں۔ خیر یہ ایک علیحدہ بحث ہے جس پر ہم اپنے ناچیز خیالات انشاءاللہ کسی دوسرے مستقل ٹریکٹ میں ظاہر کریں گے۔

غرض آریہ سماجیوں کا یہ غلط عقیدہ کہ ارواح و ذرات اپنی تمام قوتوں کے ساتھ انادی (قدیم)۔ غیر مخلوق اور قائم بالذات ہیں۔ اُس مستحکم بالاتفاق رشتہ کو جو بندوں اور خدا کے درمیان مسلّم اور بدلائل قویہ ثابت ہے۔

توڑکر تار تار کردیتا ہے یہ ایک بالکل نیا ہے گروہ و مجروح مذہب ہے جو پنڈت دیانند نے پیش کیا ہے۔ نہیں معلوم وید سے اسکو کہاں تک تعلق ہے۔ مگر ہمارا مدعا تو یہ ہے کہ عقل سلیم کے نزدیک کامل غور و خوض کے بعد یہ عقیدہ اور یہ اصول جو آریوں کا مسلمہ اور انکا اپنا ہی شائع کردہ ہے ہرگز ہرگز صحیح نہیں ٹھیرتا اس سے تو سناتن دہرم ہی کے اصول بدرجہا بہتر اور ایک حد تک قرین صداقت معلوم ہوتے ہیں۔ اگرچہ ویدانتیوں کی مبالغہ آمیز افراط تفریط نے ان کی شکل بدلکر کچھ سے کچھ کردیا ہے اور اسی لئے عقل سلیم کی معیار انہیں اکثر پہلوؤں سے محل اعتراض اور محتاج اصلاح قرار دیتی ہے۔ اگر ان اصول و عقائد (متعلقہ سناتن دہرم) کو حشو و زوائد سے الگ کیا جائے تو ان کا حاصل یہی نکلتا ہے کہ ہر شے پرمیشور ہی کے ہاتھ سے نکلی ہوئی ہے۔ اور اس طرح تمام شبہات دور ہوکر یہ ماننا لازم آتا ہے کہ بموجب اصول سناتن دہرم وید بھی آریوں کے عقیدہ کو دھکے دیتا اور یہ بتاتا ہے کہ تمام ارواح و اجسام مع اپنی کل خاصیتوں اور طاقتوں کے خدا کی مخلوق ہیں اسی کی محتاج اور اسی کی قدرت و مرضی کا ظہور ہیں نہ کہ خود بخود آریہ ورت کا مذہب قدیم یعنی سناتن دہرم جسکے پابند و پیرو آج کروڑہا انسان پائے جاتے ہیں اگرچہ زمانہ کی دستبرد سے اسوقت اسکی شکل بہت ہی بدلی ہوئی نظر آتی ہے۔ یعنی نفس مذہب کی حقیقت سے بیخبر یا خود غرض لوگوں نے مورتی پوجن۔ دیویوں کی پرستش۔ اوتاروں کو خدا جاننا وغیرہ بہت سی مشرکانہ بدعتیں اس کا جزو ضروری بنادی ہیں لیکن اسکے اصول کی تہ میں بہتیری خوبیاں بھی پائی جاتی ہیں۔ بڑے بڑے رشی منی جتی ستی۔ مقدس و مرتاض اشخاص اس میں ہو گزرے ہیں اور جن خدا پرستی اور روحانیت کے وارث وہ بزرگ اپنے اپنے وقت میں ہوئے انکی بدولت

دیانند کا من گھڑت آریہ مت بالکل نہ درست ہے اور یہ صرف ہمارا ہی خیال نہیں بلکہ بڑے بڑے فاضل پنڈت اور سناتن دھرم کے مسلمہ دھرماتما بھی رائے قائم کر چکے ہیں کہ بانئے آریہ سماج نے حصول امتیاز اور اظہار وجود کی دھن میں سخت ٹھوکریں کھائی ہیں اور اپنی گمراہی و خودرائی میں اپنے سادہ لوح۔ مشتابکار و ناعاقبت اندیش چیلوں کو حقیقت و صداقت سے کوسوں دور لیجا پھینکا ہے۔ پنڈت جی کی رنگیلی تاویلوں کے ممنون و ہلاح کچھ وہی پرجوش پارٹی کے افراد ہونگے جنھوں نے تعصب ہٹ دھرمی شوخ چشمی اور خدا کے راستبازوں کو بے سوچے سمجھے گالیاں دینا اپنا شعار اور قومیت یا دینداری کا اہم تریں اصول قرار دے رکھا ہے۔ ورنہ وید کا اصل منشا تو ان کے طرز عمل سے بالکل خلاف معلوم ہوتا ہے اگر ویدک دھرم کی غرض و غایت یہی ہوتی جو ان لوگوں نے سمجھی ہے تو اگلے وقتوں اور بعض پرانے خیال کے موجودہ ہندوؤں میں بھی ترحم۔ خداترسی سچی تہذیب۔ صلح کاری وغیرہ عمدہ اوصاف کے بجائے ہمیشہ ان حضرات کی سی خشک لاف وگزاف۔ درشت خوئی۔ بیباکی و دریدہ دہنی ہی پائی جاتی جو آج ان کے قومی کیریکٹر کی نمایاں خصوصیات ہیں۔ جیسا کہ ہم ابھی لکھہ چکے ہیں جدید آریہ مذہب اس ملک و قوم کا اصلی مذہب نہیں بلکہ کسی زمانہ میں ان خودرائے لوگوں کا مذہب تھا جو یونان کے گمراہ فلاسفروں کی مانند اپنی عقل ناقص کی پیروی میں وید کی چنداں پروا نکرتے تھے۔ انکو وید کے ساتھ زیادہ سے زیادہ اتنا تعلق تھا کہ عوام کو اپنے عقائد پر مائل کرنے کے لئے دور از کار تاویلوں کے ساتھ کوئی وید شرتی اپنی تائید میں سنا دیا کرتے تھے۔ ان کا مذہب صرف زبان تک تھا برخلاف سناتن دھرم والوں کے جو اپنے دلوں کو صاف کرتے تھے اور جب پرمیشور کا نام انھوں نے کتابوں میں سنا تھا اس کی رضا اور اس کا درشن اسی دنیا میں حاصل کرنے کے لئے وہ بڑی بڑی محنتیں اور مجاہدے کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ صدق و اخلاص کا نور انکی پیشانیوں سے آشکار تھا۔ ہاں البتہ مرور زمانہ سے ایک وقت ایسا بھی آگیا کہ دیوی دیوتا

بجائے خود رہے کائنات کی عجیب چیزوں تک کی پوجا ان لوگوں میں اسی محبت و عقیدہ سے ہونے لگی جس کا مصرفِ صحیح ایشور بھگتی (خدائے واحد کی پرستش) تھی اور وہ سیدھی سچی باتیں پس پشت ڈالدی گئیں جن کے طفیل راستبازی کو دوست رکھنے والا خدا رامچندر جی اور کرشن جی جیسے بزرگوں پر ظاہر ہوا تھا۔ بات یہ ہے کہ جو لوگ خدا کے ہو جاتے ہیں اور وہ واقعی اپنے وجود کا ذرہ ذرہ خدا ہی کی طرف سے اور اسی کے لئے سمجھتے اور اسی کی طاعت و رضا جوئی کے واسطے وقف کر دیتے ہیں۔ خدا تعالیٰ بھی اُن کا ہو جاتا اور اعلیٰ سے اعلیٰ نعمائے حقیقی سے اُن کو مالا مال کر دیتا اور اُنہیں مقبولیتِ عام کا خلعت عطا فرماتا ہے اور یہی بڑا راز ہے ہر ایک دین و ملتِ حقہ کے بزرگوں کی شہرت اور بقائے نام کا۔ برخلاف اس کے جو لوگ اپنے جسم و روح کو اس خالق و مالکِ حقیقی کی جانب سے نہیں مانتے ان میں تکبر ہوتا ہے وہ خدا کے گہرے احسان اور اسکی کامل پرورش سے منکر ہو کر اس میں اور بندہ میں اتنا بھی روحانی تعلق نہیں جانتے جتنا کہ باپ اور بیٹے میں ہوتا ہے۔ حالانکہ اصل میں انسانی اخلاق خدا کے اخلاق کا پرتوہ ہیں جب اس نے روحوں کو پیدا کیا تو جیسے باپ کے اخلاق کا اثر بیٹوں میں آجاتا ہے اسی طرح بندوں میں اپنے روحانی باپ کا اثر آگیا۔

علاوہ ازیں اگر خدا کو قادرِ مطلق نہ مانا جائے جیسے کہ آریوں کا عقیدہ ہے تو پھر اس سے ہماری تمام امیدیں باطل ہو جاتی ہیں اور ہماری پرارتھنا یا دعا سب بیکار جاتی ہے۔ بحالیکہ ہم دیکھتے ہیں اور ہزاروں راستبازوں کا تجربہ ہے کہ اس کی بارگاہ میں ہماری دعائیں سُنی جاتی ہیں اور وہ اپنے بندوں کے حال پر رحم فرماکر وہ کام ظہور میں لاتا ہے جو اسبابِ ظاہری اور تدابیرِ انسانی کے نظر کرتے بالکل خرقِ عادت اور عقل و فہم سے بالاتر ہوتے ہیں۔

پھر خدا تعالیٰ کا عالم الغیب ہونا بھی عقلِ سلیم کے نزدیک ازبس ضروری ہی

لیکن آریہ عقیدہ کی رو سے لازم آتا ہے کہ ان کا پرمیشور رُوح اور ذرات کی مخفی در مخفی طاقتوں اور خاصیتوں کا مطلق علم نہیں رکھتا۔ اسکی مفصّل بحث ہم انشاء اللہ کسی آئندہ ٹریکٹ متعلقہ تناسخ میں ہدیۂ ناظرین کریں گے۔ اور اگر بفرضِ محال یہ مان بھی لیا جائے کہ وہ کچھ علم رکھتا ہے تو اُس کے پرمیشور کا علم ناقص ضرور تسلیم کرنا پڑیگا۔ کیونکہ جب وہ ارواح و ذرات کا بنانیوالا ہی نہیں تو ان کی طاقتوں اور خواص سے متعلق وہ حقیقت شناس اور ہمہ داں کیونکر ہو سکتا ہے؟۔ صرف زبان سے یہ کہدینا کہ اُسے ہر بات کا علم ہے ہرگز کافی و قابل پذیرائی نہیں یہ تو محض ایک دعویٰ ہے بلا دلیل کے اور عقیدہ ہے بغیر عقلی ثبوت کے۔ جسکی تردید کرنے والے بدیہی شواہد بھی بہتیرے موجود ہیں۔ نہ صرف خارجی اسباب میں بلکہ آریہ سماج کے مسلمات اور اصول مذہبی میں۔ برخلاف اسکے قرآن شریف اپنے خدا کا خالق و مالک۔ بکلّی مختار و متصرف اور ایک عالم الغیب و مدبّر بالارادہ ہستی ہونا نہ بطور فقط دعوے کے پیش کرتا بلکہ اس کے زبردست دلائل بھی دیتا۔ اور بدیہی شواہد سے اسکو پایۂ ثبوت تک بھی پہنچا دیتا ہے۔ جیسا کہ ہم انشاء اللہ آئندہ بتفصیل بیان کریں گے۔

آریوں کا پرمیشور کسی زمانہ میں قوتِ تکلّم رکھتا ہوگا مگر اب تو گویا وہ گونگا ہے اور اس کی کلام کرنے کی قوت سلب و معدوم یا معطل ہو چکی ہے۔ کیونکہ انکا وید انہیں شرفِ مکالمۂ الٰہی کی بشارت دینے کے بجائے اس نعمت کا دروازہ اُن پر بند کر چکا ہے۔ بحالیکہ مسلمانوں کے خدا نے یہ فیض اپنے حبیبؐ پاک کے طفیل ابتک تا قیامت جاری رکھا ہے۔

اسی طرح آریوں کا خدا مکتی یا نجات کے معاملہ میں بھی اُن ہی کے اقرار سے خود غرض۔ ناقص اور رحمت و رافت سے خالی ثابت ہوتا ہے۔ اگر وہ ایسا نہ ہوتا تو روحوں کو آواگون کے بے انت چکّر میں کیوں مبتلا کرتا؟۔ اور انہیں نجات ابدی سے کیوں محروم رکھتا؟۔ اسی لئے کہ نئی روحوں کے پیدا کرنے پر قدرت

وہ قادر ہی نہیں۔ پھر اگر پہلی روحوں کو اس گورکھ دھندے سے چھٹکارا
دے دیکر فارغ کرتا رہے تو آئندہ اور روحیں اس جونوں کے جنجال کو نباہنے
کے واسطے کس گھر سے آئیں؟ قطع نظر اس سے کہ رحم کرنا اور بخشنا اس کی
صفاتِ الوہیت میں داخل ہی نہیں ہے۔ بلکہ رحم تو درکنار وہ تو صفت عدل
سے بھی عاری ہے کیونکہ جن روحوں نے مکتی پانے کی تمام شرائط پوری کرلی ہوں
انہیں بھی نجاتِ ابدی نہیں دیتا بلکہ مقامِ قرب سے دھکے دیکر مکتی خانہ سے
نکال باہر کرتا اور انہیں پھر پھر کے کتے۔ سور۔ بندر۔ کیڑے مکوڑے وغیرہ
کی نفرت خیز جونوں میں خوار و خستہ کرتا رہتا ہے۔ اس ناپاک عقیدہ سے ایک
مکروہ نتیجہ یہ بھی نکلتا ہے کہ ویدک دھرم کے بڑے سے بڑے مقدس آپ رشی
منی تک اس سخت دل۔ کینہ ور اور بخیل پرمیشور کے باندھے ہوئے قانون کے
اثر سے نہ بچ سکے ہوں گے۔ بجائیکہ انھوں نے اس کے ساتھ سچے دل سے محبت کی
اسکی راہ میں فنا ہوئے اور ہمیشہ کے لئے اسی کو اختیار کیا۔ پھر موجودہ آریوں
کا تو ذکر ہی کیا کرنا۔ جنہوں نے صرف تعصب۔ زباندرازی اور توہین و دل آزاری
کو ہی مدعائے مذہب بنا رکھا ہے۔

چونکہ یہ مختصر رسالہ اس بحث کی مزید تفصیل کا متحمل نہیں ہو سکتا اور ہمیں
ابھی موجودہ انجیل کے خدا کی بھی حقیقت کھولنی باقی ہے۔ پھر قرآن کے خدا کا
بہمہ وجوہ شایانِ الوہیت بیان کرنا ہمارا اہم ترین فرض اور مقصود اصلی ہے۔
اسواسطے آریہ پرمیشور کے اتنے ہی کمزور پہلوؤں کی تشریح پر اکتفا کرکے اخیر
میں ہم ان کو خلاصۃً گنوا دینا ضروری سمجھتے ہیں وھو ہذا۔

آریوں کا خدا

قادر مطلق نہیں۔ نیست سے ہست نہیں کرسکتا۔ غیب دان
نہیں۔ اسے اگر کچھ علم ہے بھی تو ناقص۔ وہ رحیم نہیں
عادل بھی نہیں۔ نجات ابدی نہیں دے سکتا۔ اس کے پرستار بیشمار جونوں کے
لامتناہی چکر سے خلاصی نہیں پا سکتے۔ اسکی کلام کرنے کی قوت مسلوب و معطل ہوچکی ہے

اُس میں صرف جوڑنے ملانے کی طاقت ہے جس میں دنیا کے دستکار و کاریگر بھی اُس کی برابری کرسکتے ہیں۔ اُس سے کچھ مانگنا۔یعنی دعا یا پرارتھنا کرنا عبث ہے۔اُس کے مذہب میں نیوگ جیسی حیا سوز تعلیمات بھی موجود ہیں جنہیں فطرۃ انسانی ہرگز قبول نہیں کرسکتی نہ کوئی معمولی غیرت وحمیت والا آدمی اسکو گوارا کرسکتا ہے۔غرضیکہ اس میں اُلوہیت کی کوئی شان کوئی خصوصیت اور کوئی خوبی نہیں جسکی کشش اور کمال انسان کو اپنے منوانے پر مجبور کیا ہُو بھی کرسکی اور روا حسرتا واویلا اس قسم کے حال پر جو ایسے خدا کو مانتی اور اسکی بیسود بندگی و طاعت کا جوا اپنی گردن پر لیتی ہے۔حالانکہ خدا ہونے کی حیثیت سے اُس کی ہستی ایک فرضی فسانہ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی۔اور اس کے بدنصیب دلدادون کے حق میں اسکا عدم وجود برابر ہے۔

فصل دوم

"عیسائی صاحبان کا خداوند خدا"

عیسائی لوگ خود مانتے ہیں اور اُن کی موجودہ تحریف شدہ کتاب آسمانی (انجیل) بھی یہی کہتی ہے کہ عیسیٰ (علیہ السلام) ہی کامل خدا ہیں۔جن کے اندر چار روحیں شامل ہیں۔یعنی باپ۔بیٹا۔روح القدس اور چوتھے انسانی روح۔اور لطف یہ کہ اُن کا "خداوند خدا"۔اس مربع اُلوہیت پر اکتفا نکر کے انہی کے معتقدات کی رو سے اسبات کا مقتضی ہے کہ اسے مجسم سمجھا جائے کیونکہ اسکا جسم بھی ہمیشہ ہی اس کے ساتھ رہیگا۔پس اسبات پر کہ عیسائی مذہب توحید سے قطعاً محروم ہے کسی دلیل اور بحث طویل کی بالکل ضرورت نہیں تاہم ارباب دانش کی دلچسپی بلکہ ازدیاد بصیرۃ کے لئے ہم اس مجسم خدا کی نسبت آشنا کر دکھانا چاہتے ہیں کہ نو مہینے خون حیض سے پرورش پاکر معمولی بشری طریق پر پیدا ہونا اور کھانا

پینا۔ ہگنا۔ موتنا۔ سونا۔ جاگنا وغیرہ تمام انسانی حوائج ضروری کا محتاج ہونا۔ پھر ناہنجار یہود کے ہاتھوں نہایت بے بسی کی عالم میں گرفتار ہو کر لعنتی موت پانے کے لئے کاٹھ پر لٹکایا جانا۔ تمام رات رو رو کر دعائیں مانگنا اور یہ کہنا کہ ایلی ایلی لما سبقتنی (اے میرے خدا اے میرے خدا تو نے کیوں مجھے چھوڑ دیا) اگر یہ سب الوہیت کی ہی شانیں تھیں تو پھر بیشاب۔ پیخانے۔ ناخن کٹوانے بال کترانے اور ختنہ کرانے میں خدائی کے جو اجزاء اس مجسم خدا سے جدا ہوتے رہے کیا وہ بھی پھر کبھی اس جسم کے ساتھ شامل کئے جائیں گے؟ اور مسئلہ تجدد امثال کی رو سے جسکو جدید فلسفہ وسائنس نے بھی بعد تحقیق و تجربہ تسلیم کر لیا ہے۔ یسوع کا وہ جسم جو ہر تیسرے سال بالکل کایا پلٹ ہو کر اور کا اور ہی بنجاتا رہا یعنی ان کی ۳۳ سال کی عمر میں گیارہ دفعہ تحلیل ہو کر گیارہ ہی بار نیا جسم بنا۔ آیا وہ گیارہ رد کالبد خاکی بھی خدا ہی تھے۔ اگر تھے تو کیوں اور کس جرم میں خدا کی شخصیت سے انکا پیوند کاٹا گیا اور کیا وہ پھر کسی وقت خدائی میں حصہ لینے کے حقدار ٹھیریں گے یا نہیں؟ استغفر اللہ ایکسا لچر عقیدہ ہے جسپر بچوں کو بھی ہنسی آتی ہے اور جس کے رو سے خدا میں شان الوہیت کی ایک رمق بھی باور نہیں آسکتی۔

انجیل کے وہ خداوند خدا کی خدائی صفات اور اسکی روئیداد حیات تو سراسر مضحکہ خیز اور عبرت انگیز ہے ہی مگر باقی اور باتوں میں بھی یہ مذہب بازیچۂ اطفال ہی معلوم ہوتا ہے۔ جن میں سے ہم اسوقت دو اہم تر باتوں کو لیتے ہیں یعنی انجیلی یسوع کی تعلیمات اور اس کے معجزات

تعلیمات میں ایک مشہور مسئلہ تو یہ ہے کہ اگر کوئی تمہارے بائیں گال پر طمانچہ مارے تو دایاں بھی اس کے آگے کر دو۔ یہ ایک ایسی تعلیم ہے جس پر انسان فطرۃً کاربند ہو ہی نہیں سکتا اور موجودہ مسیحی دنیا کا طرز عمل اسکو بالبداہت غلط اور ناقابل عمل ثابت کر رہا ہے۔ پس جو مذہب ایسی ناقص

تعلیمیں پیش کرتا ہو کہ فطرۃ انسانی انہیں کسی عنوان قبول نہیں کرسکتی - وہ ظاہر ہے کہ یا تو خدا کی طرف سے نہیں یا ایسا خدا خدائی کے قابل نہیں - پھر ایک اہم مسئلہ کفارہ کا ہے جسے اگرچہ بظاہر ایمانیات اور معتقدات میں شمار کیا جائے لیکن تعلیم معاملات سے اس کا بڑا بھاری تعلق ہے - اس باب میں ہم فقط ایک امر کا اظہار ضروری سمجھتے ہیں جس کا شافی جواب مسیحی دنیا نے نہ آجتک دیا ہے اور نہ انشاءاللہ کبھی دے سکیگی کہ اگر خون مسیح انکی امت کے تمام گناہوں کا کفارہ ہوگیا تو پھر نیک اعمال اور بدیوں سے پرہیز کی ضرورت ہی کیا باقی رہ گئی - اور جزاء سزا کی ترغیب و ترہیب کے کیا معنی ہ - اور شاید اسی غلط مسئلہ کی بناء نے مسیحی دنیا کو آج ایسا غافل اور بیباک کردیا ہے کہ میخوری اور فواحش میں کوئی دوسری قوم ان کا مقابلہ نہیں کرسکتی انجیلی مسیح کے معجزات بھی کچھ ایسے شاندار اور ایمان بخش نہیں کہ جو انکی خدائی پر دلیل ہوسکیں - دیگر انبیاء کے معجزے - بلکہ خود ان کے ہمعصر ایلیا نبی کے معجزے جو بائبل میں مذکور ہیں ان سے کہیں بڑھکر ہیں - اور انبیاء تو بجائے خود رہے اس زمانہ میں تو جدید سائنس کے کرشمے ان سے بدرجہا بڑھ کر اور نت نئے دیکھنے میں آرہے ہیں - ×

انجیلی یسوع کی نہیں جسکا خیالی وجود بعد تحقیق و تنقید کچھ معنی ہی نہیں رکھتا بلکہ ان حضرت مسیح کی جن کا قرآن پاک بھی مصداق ہے بعض پیش گوئیاں البتہ اس قابل ہیں کہ ہم ان سے کچھ بصیرۃ حاصل کریں اور ان کو کچھ وزن و

× اگر مسیح کی پیدائش کو بطور معجزہ پیش کیا جائے تو اول اسکی صحت اور صورت واقعات کو تسلیم کرنیوالا دنیا بھر میں بجز مسلمانوں کے شاید اور کوئی بھی نہ ملے - اور انکے نزدیک یہ کوئی دلیل الوہیت ہے نہ کوئی عدیم النظیر واقعہ - کیونکہ اس سے قبل حضرت یحیی علیہ السلام کی پیدائش اور حضرت آدم کی تخلیق اس سے بھی کہیں بڑھ کر محیر خیز ظہور میں آچکی ہے مگر اس قبیل کے تمام واقعات خدا کی قدرت پر دال ہوسکتے ہیں نہ کہ حضرت آدم یحیی یا عیسے کی خدائی پر - مصنف

وقعت دیں لیکن ان سے بھی زیادہ آپکی نبوت ہی ثابت ہو سکتی ہے نہ کہ خدائی۔ اور یہ بھی ہمارے رسول کریم اور آپ کی کتاب مجید کا احسان ہے کہ حضرت مسیح کو بدبخت یہودیوں کے شرمناک الزاموں سے بری کر کے انہیں خدا کا سچا نبی اور ان کی ماں کو صدیقہ قرار دیا۔ اس پر مسیحی حضرات کی یہ احسان فراموشی قابل لحاظ ہے کہ آنحضرت (صلعم) کی رسالت پر بھی ایمان نہیں لاتے بلکہ آپ کی شان میں طرح طرح کی گستاخیاں روا رکھتے ہیں۔ حالانکہ یہ وہی وجود پاک ہے جس کے ظہور کی ان کے "خداوند" نے بھی صدیوں پہلے بشارت دی۔

حاصل کلام یہ کہ انجیل کا خدا بھی کسی طرح خدا کہلانیکا مستحق نہیں ہو سکتا اور جو کتاب اسکو پیش کرتی ہے وہ اگرچہ کسی وقت میں خدا کی طرف سے ہی اُتری ہو لیکن اپنی موجودہ محرّف حالت میں نہ وہ اس ہستی اعلیٰ کا صحیح صحیح پتہ دیسکتی ہے جسکی معرفت کی پیاس ہر رُوح انسانی میں فطرۃً پائی جاتی ہے۔ نہ ایسی کتاب نجات کا سیدھا راستہ دکھا سکتی ہے۔ نہ وہ حامل مذہب حق ہو سکتی ہے۔ پس انجیلی "خداوند" کی خصوصیات یعنی اسکے امتیازی نشانات اُلوہیت بطریق مذکورہ خلاصۃً یہ ہوتے ہیں:۔

عیسائیوں کا خدا

پانچ وجودوں کا ایک مجموعہ ہے۔ وہ ایک عورت کے پیٹ سے پیدا ہوا۔ وہ تمام حوائج بشری کا محتاج تھا۔ وہ یہودیوں کے ظلم وستم سہتا رہا۔ وہ بالآخر کاٹھ پر لٹکایا جا کر لعنتی موت مرا۔ وہ صرف بنی اسرائیل کی ہدایت کے لئے ظاہر ہوا تھا مگر افسوس ان کو بھی رُوبراہِ راست نہ لا سکا۔ اس کے کارناموں میں کوئی بھی ایسا نہیں جس سے خدائی اقتدار پایا جاتا ہو اور اس کے احکام یعنی تعلیم ایسی ہے کہ انسان سے اس کی پوری پوری تعمیل ہو ہی نہیں سکتی۔ اس کے مذہب کا ایک مسئلہ (کفارہ) نیکی بدی جزا، سزا سب کو لغو ولایعنی قرار دیتا ہے۔

اس کے ماننے والوں میں روحانیت اور پرہیزگاری قائم رہ ہی نہیں سکتی کیونکہ اسکی کمزوریاں۔ حقانیت کے منافی ہیں اور موجودہ زمانۂ معقول پسندی میں تو اُس کے اہم تر معتقدات نہایت مضحکہ خیز ڈھکوسلوں سے زیادہ کوئی وقعت ہی نہیں رکھتے۔

فصل سوم

قرآن شریف کا پیشکردہ و مسلمانوں کا مسلمہ خدا

واضح ہو کہ جس خدا کو اسکی اپنی کتاب مجید پیش کرتی ہے وہ نہ آریہ پرمیشور کی مانند روح اور مادہ کا محض ایک ہمسر ہے جس کی تمام اوصاف اُلوہیّت سے تہیدستی ہم اوپر ثابت کرآئے ہیں۔ اور نہ وہ انجیلی "خداوند خدا" کی طرح ایک ایسا وجود ہے جس کی خدائی تو درکنار انسانی حیثیت بھی حسرت انگیز و تاسف خیز کمزوریوں سے خالی ثابت نہیں ہوسکتی اور اس کی تعلیمات پر کاربند ہو کر انسان نجات ابدی کی صراط مستقیم تو کیا معمولی نیکوکاری و پرہیزگاری بھی حاصل نہیں کرسکتا۔ اسلام کا خدا در اصل ایک ایسی وراء الوراء ہستی ہے جسکی خوبیوں اور صفات کا احاطہ بلکہ سرسری اندازہ بھی بشری طاقت سے باہر ہے۔ ہماری ناچیز زبان و قلم سے اس کا ایک شمہ بھی ادا ہوسکے "ایں خیال است و محال است و جنوں"! اس کے اپنے کلام پاک میں یوں ارشاد ہوا ہے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الآیہ یعنی سب تعریف اُسیکو سزاوار ہے۔ گویا دنیا بھر کی تمام خوبیاں جو خیال میں آسکتی ہیں اس کی ذات میں جمع ہیں۔ نہ کوئی صفت ایسی ہوسکتی ہے جو اس میں نہ ہو اور نہ اسکی ذات میں کوئی خصوصیت ایسی ہے جو قابل توصیف اور لائق حمد و ثنا نہ ہو۔

پس جس خدا کی شان یہ کچھ ہو اسکی تعریف سے ہمارا عہدہ برآ ہوتا معلوم

لہٰذا ذیل میں ہم جو خیالات ظاہر کریں گے وہ گویا ایک بے تھاہ سمندر میں سے
قطرۂ ناچیز بھی نہیں اور ان خیالات کا اظہار محض ایک سرسری مقابلہ اور خفیف سا
اشارہ ہے اُس خدائے بزرگ و برتر کی طرف جس کا قرآن کریم پتہ دیتا ہے اور جو
وید اور انجیل کے پیش کردہ خداؤں سے ہزار درجہ برتر و بالاتر ہی نہیں بلکہ
فی الحقیقت خدائی کے لائق اور اس قابل ہے کہ انسان اُس سے محبت کرے۔
اُس پر ایمان لائے۔ اُس کے احکام کی تعمیل میں ساعی ہو اور اپنی تمام توقعات متعلقہ
فلاحِ دین و دنیا کو اُس کے فیضانِ رحمت سے وابستہ کرے۔ یہ جتا دینا بھی ضروری
ہوگا کہ خدائے اسلام کی نسبت جو جو کچھ ہم یہاں بیان کریں گے وہ کوئی فرضی یا
سنے سنائے اعتقاد نہیں بلکہ اُس کے کلام پاک میں سب مذکور ہیں جسے شبہ ہو
وہ ہمارے سامنے قرآن کریم ہی سے اسکی تحقیق و تصدیق کر سکتا ہے۔ آیات کی
بجنسہٖ نقل یا مقامات کے حوالوں سے گریز کرنے کی وجہ بجز اس کے کچھ نہیں کہ یہ ٹریکٹ
مجوزہ حجم سے پہلے ہی تجاوز کر گیا ہے اور ایسے معمولی رسالوں میں قرآنی آیات کا
ادب قاعدہ بھی عام لوگ کما حقہٗ ملحوظ نہیں رکھا کرتے۔

اسلام کا خدا از روئے قرآن کریم:۔ ہر ایک تعریف و توصیف کے
لائق ہے۔ وہ تمام عالموں کا خالق اور مالک و مختارِ کل ہے۔ وہ سب کا پالنے والا ہے
وہ اپنی صفات میں تنہا اور بے مثل ہے۔ وہ عالم الغیب ہے۔ چھپے ڈھکے حالات
اور دلوں کے خیالات تک کو جانتا ہے۔ وہ قادر مطلق ہے۔ کوئی بات اُس کے
آگے اَن ہونی نہیں۔ مگر ہاں وہ اُمور اس کی ذات پاک سے کبھی ظہور میں نہیں
آتے۔ جو اُس کی شانِ الوہیت کے منافی ہوں یعنی اُس کی عادت اور اُس کے
وعدوں کا خلاف و نقیض۔ وہ ہمیشہ زندہ سلامت ہستی اعلیٰ ہے۔ نہ صرف
خود الحی ہے بلکہ ہر ایک زندہ وجود کی زندگی بھی اُسی کے سہارے سے ہے اور
اُسی کے قبضۂ قدرت میں۔ وہ بلا مبادلہ رحم کرنے والا ہے۔ اُس کا فضل اور اسکی
رحمت کسی کے استحقاق کی محتاج و منتظر نہیں۔ ہر ایک ذی حیات کی پیدائش

زندگی بقا اور دنیا کی وہ تمام نعمتیں جو مخلوق کو عطا ہوئی اور ہمیشہ ہوتی رہتی
ہیں اسی صفتِ رحمانیت کا تقاضا ہیں۔ وہ رحیم ہے کہ بصورتِ رجوع و استحقاق
بھی بندوں کے حال پر رحم فرماتا ہے۔ وہ نہ صرف ازلی ابدی اور جیتا جاگتا خدا
ہے۔ بلکہ سب کچھ دیکھتا اور سب کی سنتا ہے۔ اور اپنے جن بندوں میں اسکی اہلیت و
صلاحیت پاتا ہے اُن کو اپنے مکالمہ کا شرف بھی عطا فرماتا ہے۔ وہ ایسا آقا
حقیقی ہے کہ جو اس کے ہو جاتے ہیں وہ بھی اُن کا ہو جاتا ہے اور وہ دشمنوں کے
مقابلہ میں اُن کی تائید و نصرت فرماتا ہے۔ وہ جو چاہتا ہے کر سکتا اور کر گزرتا
ہے کوئی اس کو روکنے والا نہیں۔ وہ کسی کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ وہ سچوں کا
ساتھی اور صابروں کا سہارا ہے۔ اس کی کتاب پاک انسان کی جسمانی۔
اخلاقی و روحانی غرض ہر قسم کی تربیت کے لئے کافی ہے۔ اس کے احکام کی
تعمیل نفس انسانی کا تزکیہ کرکے اسے تمام آلائشوں سے پاک کر سکتی ہے۔ وہ اپنے
فرمانبردار بندوں کو نجات ابدی کی بشارت دیتا اور دونوں جہان کی فلاح و
بہبود کا وارث ٹھیراتا ہے۔ دنیا و مافیہا کا ذرہ ذرہ اس کی قدرتِ کاملہ کا ایک
حیرت انگیز اور سبق آموز نمونہ ہے۔ جسکی مثل پیدا کرنا بشری طاقت سے باہر ہے
وہ کسی خاص زمانہ یا ملک یا قوم کا خدا نہیں بلکہ ہمیشہ سے ہمیشہ کے لئے ہر شے
اور ہر متنفس کا خدا ہے۔ وہ اپنی ہدایت و قدرت نمائی میں کسی قوم سے بخل یا رعایت
خاص روا نہیں رکھتا۔ اس نے تمام زمانوں اور ملکوں قوموں میں اپنے ہادی
بھیجے اور درِ رشد و ہدایت کو قیامت تک کے لئے کھول دیا۔ اس نے اپنی
شریعت کو اپنے پیارے رسولوں کی معرفت دنیا میں بتدریج نازل کیا کیونکہ
مرورِ زمانہ اور تغیر حالات کی مصلحت اسی کی مقتضی تھی اور آخر حضرت محمد
مصطفےٰ (صلعم) پر اسے بہمہ وجوہ کامل کر دیا۔ اب کسی نئی شریعت کی حاجت
نہیں نہ اس کے ہوتے کسی پہلی شریعت کی ضرورت ہے۔ کیونکہ وہ انسان کی
تمام جسمانی اخلاقی روحانی اور تمدنی بلکہ سیاسی ضروریات تک کیلئے کافی ٹھیری

اس کے قائم کردہ آئین و قوانین کا کوئی دوسری شریعت مقابلہ نہیں کر سکتی
جوں جوں زمانہ ترقی کرتا جاتا ہے اس کے اصول و احکام کی خوبیاں حکمتیں
اور مصلحتیں نت نئی ظاہر ہو رہی ہیں۔ چونکہ یہ شریعت تمام محاسن و کمالات
کا مجموعہ۔ انسان کی دینی و دُنیوی ترقیات کا ذریعہ اور نجات ابدی حاصل
کرنے کا عدیم النظیر وسیلہ ہے اسواسطے ہر ایک فیض اسی رسُول عربی کی غلامی
اور اسی شریعت کی پیروی سے حاصل ہو سکتا ہے اور آیندہ تمام ہادی و رہنما
اسی کے تابع اور اسی شرع شریف کے خادم ہوتے رہیں گے۔ جب تک کہ یہ دنیا
خدا کی مصلحتوں کے ماتحت موجود و قائم ہے۔ یہ اسلام کے خدا اور اس کے دین
حق اور کتاب مجید ہی کا **خاصہ** ہے کہ اپنی صداقت پر زندہ **نشان** دکھلاتا
ہے اور کوئی منسوخ و باطل مذہب نہ اس بارہ میں نہ اور کسی خوبی و خصوصیت
میں اسکا مقابلہ کر سکتا ہے اور نہ کوئی اس کتاب کے ایک ادنٰے سے جزو کی بھی
نظیر لا سکتا ہے۔ یہ عین اس کا فضل و رحم ہے کہ اسنے غلامانِ رسولِ امین اور
پیروانِ دینِ متین میں سلسلہ مکاشفات و مکالمات الٰہیہ و رویائے
صادقہ کو ہمیشہ کے لئے جاری رکھکر اس امت کو حرف زبانی طفل تسلّی سے
نہیں بلکہ فی الحقیقت اپنی اُن اعلیٰ روحانی نعمتوں کا جو اگلے راستبازوں
کو ملیں وارث جائز بنایا اور خیر امت کہلانے کا مستحق ٹھیرایا تاکہ وہ دنیا کو
بدی سے روکیں اور نیکی کی طرف بلائیں اور یہ سلسلہ مکالمہ و الہام منکرانِ
وحی الٰہی پر ہمیشہ کے واسطے ایک **زبردست حجت** ہو اور اسکے کلام
پاک کی تصدیق کا زندہ گواہ یعنے اس امر کا بیّن ثبوت کہ قرآن کا خدا ہمیشہ
جیتا جاگتا خدا اور قادر و توانا ہے۔ ناتوان و تہیدست اور گونگے ویدک
پرمیشور کی مانند اُس کی ہستی محض اعتقادی یا فرضی و خیالی بات نہیں
بلکہ ہمہ وقت ایک **متاعِ نقد** ہے جو سچے متلاشیوں کو ملتی اور اپنے ہونیکا
یقین اور زندہ ایمان تمام حواسِ ظاہری و باطنی کے ذریعہ عطا ہو سکتی ہے

یہ خدائے قرآن ہی کا احسان ہے کہ وہ تمام دنیا کے انبیاء اور راستبازوں کی تصدیق کرتا ہے۔ یہ اسی کتاب مجید کی عنایت ہے کہ جہان بھر کی آدھی سے زیادہ آبادی (عورتوں) کو ان کے حقوق واجبی عطا ہوئے۔ یہ اسلام ہی کی خصوصیت ہے کہ وہ تمام بنی نوع کو درجہ مساوات عطا فرماتا اور اُن کے لئے ہر قسم کی ترقیات کا دروازہ بلا امتیاز و تفریق کے کھولتا ہے۔ یہ خوبی اسی دین میں ہے کہ وہ محض اختلافِ عقائد کی بنا پر کوئی تعرض اور جبر و تعدی روا نہیں رکھتا بلکہ غیر مذاہب والوں سے بھی اسی **خلق حسن معاشرت** اور عدل و انصاف کے ساتھ پیش آنے کی تاکید کرتا ہے جو اپنے دینی بھائیوں کے ساتھ برتا جاتا ہے۔ یہ اسلام کی ہی خوبی ہے کہ رعایتِ اسباب ظاہری اور حصولِ ترقیاتِ مادی سے بھی نہیں روکتا مگر ہر بات میں انسان کی روحانی تربیت اور باطنی بصیرۃ کو بھی ایسا ہی ضروری قرار دیتا ہے جیسا کہ حیات جانی کے لئے غذا کیونکہ یہی مذہب کی جان اور معرفت (خداشناسی) کا بڑا اصول ہے کہ خالق و مخلوق میں رشتہ صحیح قائم ہو کر اس فانی زندگی کے ہر واقعہ ہر امر سے اسکو تقویت پہنچتی رہے تاکہ یہاں کی بے اعتنائی و غفلت بلکہ بیگانگی و بغاوت وہاں کی رُسوائی و ندامت کا باعث نہ ہو۔

دُعائے خاتمہ

آخر میں ہماری عاجزانہ دُعا ہے کہ خدایا تو ہی اپنے بندوں کو راہِ راست کی روشنی دکھلا اور اُنہیں قبولِ حق کی توفیق بخش کہ تو ہی ہر ایک نور و ہدایت کا سرچشمہ اور دلوں کا مالک و منصرف ہی ہماری کمزوریونکو درگزر اور کوتاہیونکو معاف فرما۔ اور ہماری ناچیز کوششونکو اپنی بیاری ہی) کرم کے پاک دین کی خدمت میں بابرکت و بارآور کر۔ آمین ثم آمین ۔ خاکسار احمد حسین فریدآبادی ۲۶ مارچ سنہ ۱۹۰۹ء

اعلان

ٹریکٹ ہذا کے بعد انشاء اللہ آئندہ ردِّ تناسخ کی مفصل بحثوں کا خلاصہ مطلب ایسے ہی مختصر رسالہ کی شکل میں ہدیۂ ناظرین کیا جائیگا پھر اسی قسم کے دیگر ضروری مسائل پر توجہ کیجائیگی جو مذاہب باطلہ کی تردید اور اسلام کی تائید سے متعلق ہونگی اور جنکا ذکر یا حوالہ آجکل کے مناظروں میں عموماً آیا کرتا ہے۔ حامیان دین متین سے توقع ہے کہ اس سلسلہ کی اشاعت و اعانت میں دریغ نہ فرماکر عنداللہ ماجور ہوں گے۔

خاکسار احمد حسین فریدآبادی اڈیٹر سلسلۂ ہذا

ایک ضروری ٹریکٹ

"مکالمہ مسلمان و آریہ" نام ایک ضروری ٹریکٹ ردِّ اصول آریہ میں ایجنسی ہذا نے پچھلے سال چھاپا تھا اسکی ایک بڑی تعداد اسوجہ سے پڑی رہ گئی کہ ایجنسی ہذا امرتسر سے دہلی اٹھ آئی اور نقل مکان کی پریشانی میں نہ اُس کی تشہیر و اشاعت پر کماحقہ توجہ کی جاسکی اور نہ اس سلسلہ کے دیگر رسالے مصنف صاحب سے لئے اور طبع کئے جاسکے۔ اب ہمنے اسکی قیمت جو ۲ آنہ تھی گھٹا کر ۱ کردی ہے۔ باحمیت احباب سے امید ہے کہ اس کی نکاسی میں سعی فرماکر ہمیں تشکوری کا موقعہ دیں گے تاکہ اس کی قیمت اور مفید رسالوں کی تیاری پر صرف کی جائے اور مصنف موصوف سے بھی ان کے مجوزہ سلسلہ کے باقی رسائل لئے اور چھاپے جائیں۔

خاکسار احمد حسین فریدآبادی منیجر رفیق ایجنسی

کمرہ بنگش دہلی